ڈاکٹر فضل احمد صاحب

مسئلہ انکارِ حدیث کا تاریخی جائزہ

تاریخ شاہد ہے کہ ہجرت مدینہ کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انصار کے پاس پہنچے اور اس ہجرت نے مسلمانوں میں خود اعتمادی پیدا کی جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی "مؤاخات" نے اور زیادہ مستحکم کر دیا۔ چنانچہ یہ بات یہود کو ناگوار گزری کہ مدینہ کے لوگ ان کے اثر سے نکل جائیں جب کہ ہجرت نبویؐ سے پہلے تک وہ یہود کے دست نگر، مقروض، ان کے علم دین کے دعوے اور کہانت وفطانت کو تسلیم کر چکے تھے۔ اس لیے اب انہوں نے منافقت کی راہ سے مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے اور باہمی اختلاف پیدا کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ انہوں نے اپنے لوگوں کو مسلمانوں میں شامل کر کے اور اعلان قبول اسلام کے ذریعے انہیں نقصان پہنچانے کا منصوبہ بنایا یہ لوگ نبیؐ کی موجودگی میں تو مسلمانوں کو کوئی زک نہ پہنچا سکے۔ لیکن آپ کے بعد در پردہ اختلافات پیدا کرنا شروع کر دیئے۔ اپنے اس منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے فوراً بعد سب سے پہلے منکرین زکوٰۃ نے زکوٰۃ دینے سے اس بنیاد پر انکار کیا کہ اس کا نصاب اور دوسری تفصیلات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائی تھیں اور قرآن میں یہ تفصیلات موجود نہیں۔ بقول ان کے ہماری رہنمائی کے لیے قرآن ہی کافی ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ مانعین زکوٰۃ وہ اولین منکرین حدیث تھے جنہوں نے قرآنی احکام کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھالنے کے لیے حدیث کا انکار کیا۔

لیکن صدیق اکبرؓ نے سنت کا دفاع کرتے ہوئے مانعین زکوٰۃ سے قتال کیا اور اپنے اس عزم کا اظہار کیا کہ

"خدا کی قسم کوئی زکوٰۃ کا ایک جانور یا ایک رسی بھی جو وہ نبیؐ کے سامنے ادا کرتا تھا اب نہ ادا کرے گا تو میں اس سے ضرور قتال کروں گا۔"[۱] حضرت ابوبکر صدیقؓ کا یہ قتال اس بنا پر تھا کہ سنت نبوی اسی طرح حجت ہے جس طرح آیات قرآنی۔ اگرچہ منکرین حدیث کا یہ فتنہ عہد صدیقیؓ میں دب گیا لیکن دور فاروقیؓ کے بعد حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں دشمنان اسلام نے فتنہ خوارج کے سرخیل کی صورت میں پھر سر اٹھایا اور اتنا پروان چڑھا کہ دب نہ سکا۔

علامہ ابن الحجر العسقلانی فرماتے ہیں کہ[۲]

جس نے (حدیث میں) سب سے پہلا جھوٹ بولا وہ عبداللہ بن سبا تھا حضرت علی رض کی جماعت کے مشہور بزرگ حبیب بن نجیب ایک دن عبداللہ بن سبا کو پکڑے ہوئے کوفہ کی جامع مسجد میں منبر کے سامنے کھڑا کر کے یہ اعلان کر رہے تھے کہ

یکذب علی اللہ وعلی رسولہ (۳)

یہ اللہ اور اس کے رسول ؐ کی طرف جھوٹی باتیں بنا کر منسوب کرتا ہے۔ مختصر یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور تک منافقین مختلف سازشیں کرتے رہے اور ناکام ہوتے رہے لیکن آپ ؐ کی وفات کے بعد ان کا سردار گہرا سازشی جس نے مسلمانوں کی فوجی چھاؤنیوں اور بستیوں میں اپنے کارندوں کا جال بچھا رکھا تھا۔ خود مسلمانوں میں مختلف قسم کے شکوک وشبہات قرآنی آیات کے متعلق پھیلاتا پھرتا تھا۔ حضرت عمر رض کا خیال تھا کہ وہ (ضبیغ) خوارج کی جماعت سے تعلق رکھتا تھا۔(۴)

پھر یہی منافق مدینہ میں خلافت کے مسئلے پر اپنی سازش کا پہلا اور کھلا وار کرتا ہے۔ دوسری جانب رسول اللہ ؐ سے منسوب کر کے غلط بیانیوں کا ایک دھواں اڑاتا ہے کہ مسلمان اصل حقیقت کو نہ دیکھ سکیں۔ اور اس طرح ان کی ایمانی قوت اور اتحاد ویکجہتی تباہ ہو جائے۔

درحقیقت حدیث رسول ؐ کے دشمن دو گروہ ہوئے ہیں۔

۱۔ وضاعین حدیث :

ان کے بانی اور موسس روافضی وشیعہ ہیں۔

۲۔ منکرین حدیث :

ان کے بانی اور موسس، سب سے پہلے صحیح، مشہور اور متواتر حدیثوں کا انکار کرنے والے خوارج ہیں۔

عہد نبوی ؐ میں کسی مخالف اسلام کو جھوٹی حدیث (موضوع حدیث) بنانے یا اور کسی قسم کی سازش کا موقع نہ مل سکا۔ کیونکہ صحابہ کرام رض اس کی تصدیق وتردید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کر لیتے تھے۔ نیز وحی کا نزول جاری تھا جس کے ذریعے منافقین کے تمام رازہائے سربستہ فاش کر دیئے جاتے تھے۔ حضور ؐ کی وفات کے بعد خلیفہ اول اور دوم کی نہایت محتاط اور دور اندیشانہ روش کے نتیجے میں اسلام پر کوئی آنچ نہ آئی۔ لیکن اس کے بعد اسلام کے اس بیش بہا سرمایہ یعنی ذخیرۂ احادیث کو مشکوک بنانے کی مختلف تدابیر اختیار کی جانے لگیں۔

چنانچہ خلیفہ ثالث کی شہادت کے بعد واقعۂ تحکیم وقوع پذیر ہوا۔ واقعۂ تحکیم (ثالثی) کے بعد اسلام کے سخت دشمن فرقہ خوارج نے اس بنیاد پہ احادیث کا انکار کر دیا کہ تحکیم (ثالثی) کو قبول کرنے کی وجہ سے تمام صحابہ کافر ہو گئے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

"کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم ان یقولون الا کذبا" (۵)

یہ لوگ کتنی بڑی بات اپنے منہ سے (زبانوں سے) نکالتے ہیں یہ جھوٹ بکتے ہیں۔

کسی روایت کی قبولیت کی پہلی شرط مسلمان ہونا ہے اس لیے انہوں نے کتاب اللہ کو حجت مانا اور اس پر پورے دین کا دارومدار کیا لیکن احادیث کا انکار کر دیا۔ (۶)

درحقیقت صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں ہی انکار حدیث کا فتنہ جنم لے چکا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ عبداللہ بن مسعودؓ نے یہ حدیث بیان کی۔

"لعن اللہ الواشمات والموتشمات والمتنمصات والمتفلجات للحسن المغیرات خلق اللہ" (۷)

یعنی اللہ تعالیٰ نے گودنے والی، گدوانے والی، چہرے کا بال بننے والی اور حسن کے لیے دانتوں کو جدا کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔ کیونکہ وہ خدا کی خلقت کو بدلتی ہیں۔

قبیلہ بنو اسعد کی ایک عورت نے یہ حدیث سنی تو اس نے حضرت ابن مسعودؓ سے کہا کہ اے ابو عبدالرحمٰن مجھے اطلاع ملی ہے کہ آپ نے فلاں اور فلاں قسم کی عورتوں پر لعنت کی ہے اور کہا ہے کہ یہ اللہ کی کتاب میں ہے جبکہ میں نے (عورت) پورا قرآن پڑھا ہے اس میں یہ حکم نہیں ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا اگر تو نے پورا قرآن پڑھا ہوتا تو تجھے بھی یہ حکم مل جاتا تو نے یہ آیت نہیں پڑھی۔

"وما آتاکم الرسول فخذوہ ومانھاکم عنہ فانتھوا" (۸)

یعنی جو اللہ کے رسول تم کو دیں تو اس کو لے لو اور جس چیز سے باز رہنے کو کہیں اس سے باز آجاؤ"

اس عورت نے کہا ہاں میں نے یہ آیت پڑھی ہے تب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مذکورہ عورتوں پر لعنت بھیجی ہے۔

گویا سنت بھی اسی طرح حجت ہے جیسا کہ آیات قرآنی اس قسم کے اشکالات، امیہ بن خالد کو بھی پیش آئے جب انہوں نے یہ کوشش کی کہ تمام مسائل کا حل صرف قرآن کریم میں تلاش کیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے عبداللہ بن عمرؓ سے فرمایا۔

انا نجد صلاۃ الحضر وصلاۃ الخوف فی القرآن ولا نجد صلاۃ السفر فی القرآن فقال عبداللہ یا ابن اخی ان اللہ بعث الینا محمدا صلی اللہ علیہ وسلم ولا نعلم شیئا فانما نفعل کما راینا محمدا یفعل۔ (۹)

یعنی ہم صلاۃ حضر اور صلاۃ خوف کو تو قرآن مجید میں پاتے ہیں لیکن صلاۃ سفر کا ذکر قرآن مجید میں نہیں ملتا

تو عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا اے میرے بھتیجے اللہ تعالیٰ نے محمدؐ کو اپنا پیغامبر بنا کر ہماری طرف مبعوث کیا جب کہ ہم کچھ نہیں جانتے تھے اب ہم ایسا ہی کریں جیسا کہ ہم نے محمدؐ کو کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

خوارج کے اس پر آشوب فتنے کی وجہ سے لوگوں کے ذہنوں میں حدیث کے سلسلے میں اشکالات پیدا ہوتے رہے۔اور ان تمام اشکالات کو دور کیا جاتا رہا ہے۔خوارج کو انکار سنت کی ضرورت اسی لیے پیش آئی کہ وہ ملت اسلامیہ میں جو انتشار پھیلانا چاہتے تھے۔سنت رسولؐ اس کے لیے سب سے بڑی رکاوٹ تھی۔چنانچہ انہوں نے وضع حدیث کا سلسلہ شروع کر دیا۔اس دور میں خوارج اس سلسلے میں اتنے بدنام ہو چکے تھے کہ اگر کسی کو حدیث میں اشکال پیدا ہوتا تھا تو فوراً اس کو خارجی کہہ کر پکارتے تھے۔چنانچہ ایک ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضؓ سے کسی عورت نے دریافت کیا کہ ایام حیض کی نماز کی قضاء پڑھنی چاہیے تو فوراً حضرت عائشہ رضؓ نے فرمایا "أحرورية أنت" کیا تو خارجیہ تو نہیں، جو صرف قرآن کو حجت تسلیم کرتی ہے اور حدیث سے انکار کرتی ہے۔ہمیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حیض کی نماز کے قضاء کا حکم نہیں دیا (۱۰)

خوارج نے حدیثوں کو مطعون کہا۔صحابہ کرام کو کافر قرار دیا۔لیکن اس کے بعد ردعمل کے طور پر خوارج کے بالمقابل معتزلہ، روافض اور شیعہ فرقے ظہور میں آئے۔

چنانچہ مصطفےٰ السباعی لکھتے ہیں کہ معتزلہ خوارج کی طرح دین سے نکلے ہوئے بے دین لوگ ہیں جنہوں نے صحابہ کرام کو ہدف طعن و تشنیع بنایا چنانچہ ان میں ایک شخص ثمامہ بن اشرس نماز کے لیے جانے والے مسلمانوں کو دیکھ کر کہتا ہے۔گدھے ہیں گدھے۔(۱۱)

معتزلہ کا پیشوا واصل بن عطاء (المولود فی ۸۰ھ) تھا۔ان کے نزدیک دلائل و براہین کی مد میں ایک سب سے بڑا معیار و مقیاس عقل بھی ہے جب انہوں نے دیکھا کہ سنت نبویہ کا بہت بڑا ذخیرہ ایسا ہے جو فلسفہ یونان کے نظریات سے متصادم ہے تو انہوں نے احادیث کی حجیت سے انکار کر دیا۔

لیکن علامہ جزائری لکھتے ہیں کہ اگرچہ لوگوں میں بہت مشہور ہے کہ معتزلہ کا مذہب علم فلسفہ میں نظر کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔مگر یہ خیال بے اثر ہے کیونکہ ان کا مذہب صحابہ کرام کے آخری دور میں شروع ہو چکا تھا حالانکہ اس وقت فلسفے کی کسی کتاب کا بھی ترجمہ ہونے نہ پایا تھا (۱۲)

لیکن اس سے کسی کو انکار نہیں کہ انہوں نے راحت قبر و عذاب قبر، حشر و نشر کے بعض حقائق، رویت باری تعالیٰ، شفاعت، صراط و میزان اور جنت و جہنم کے بہت سے حقائق ثابتہ اور کیفیات کو اپنی عقل نارسا کی زنجیروں میں جکڑ کر اپنی خام عقل کے ترازو سے تولنا چاہا۔اور راہ راست سے بھٹک کر روطۂ ضلالت میں اوندھے منہ گر پڑے اور اس سلسلے میں وارد شدہ تمام احادیث کو ناقابل اعتبار قرار دے کر یوں سنت سے گلو خلاصی کی ناکام کوشش کی۔

اس طرح عقلیت پرست فرقہ معتزلہ نے اس فتنۂ انکار حدیث کو مزید تقویت پہنچائی اور منکرین حدیث کے خوب ہاتھ مضبوط کیے۔

انکار حدیث میں ان کے شانہ بشانہ کچھ زنادقہ، ملاحدہ اور روافضی و شیعہ بھی تھے۔ چنانچہ روافض و شیعہ نے قرآن میں کمی و بیشی اور مسخ و تحریف کے دعوے کے علاوہ آئمہ اہل بیت کے علاوہ تمام صحابہ کی روایات کا انکار کر دیا۔ اور پورے دین کو اپنے آئمہ کی روایات اور انہیں کی اتباع میں محدود و منحصر کر دیا۔

بہر حال یہ مسئلہ انکار حدیث ملحدین و زائغین کے ہاتھوں پروان چڑھتا رہا۔ چنانچہ علامہ ابن حزم خوارج اور معتزلہ کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

"تمام معتزلہ اور خوارج کا مسلک ہے کہ خبر واحد موجب علم نہیں ان کا کہنا ہے کہ جس خبر میں جھوٹ یا غلطی کا امکان ہو اس سے اللہ تعالیٰ کے دین میں کوئی بھی حکم ثابت کرنا جائز نہیں ہو سکتا اور نہ ہی اس کی نسبت خدا کی طرف کی جا سکتی ہے اور نہ خدا کے رسول کی طرف۔ (۱۳)

بہرکیف انکار حدیث کے مسئلے کو اٹھانے والے پیدا ہوتے رہے کچھ فرقے ہوئے جو احادیث کو اسلامی شریعت کا ماخذ ہونے کی حیثیت سے حجت اور دلیل شرعی ہونے کا انکار کرتے تھے۔ اور کچھ فرقے متواتر احادیث کے علاوہ باقی تمام احادیث سے (جو خبر واحد کے طور پر وارد ہیں) کے حجت ہونے کا انکار کرتے تھے۔ اور بعض فرقے ہر اس سنت اور حدیث کا انکار کرتے تھے جو قرآن عظیم کے نصوص کے بیان کی تاکید و تائید کے طور پر وارد نہ ہو۔ بلکہ ان سے نصوص قرآن پر مستزاد کوئی مستقل حکم نکلتا ہو۔

تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ مخالفین اسلام خوارج، معتزلہ، روافض، غالی شیعہ اور ان کے بہی خواہوں نے اسلام کے اس بیش بہا سرمایہ یعنی ذخیرۂ احادیث کو ناکارہ بنانے کی بھرپور کوششیں کیں۔ جھوٹی حدیثیں وضع کر کے، صحابہ پر طعن کر کے واقعۂ تحکیم کا سہارا لے کر غرضیکہ جس طرح بھی ہو سکتا تھا۔ یہ معاندین اسلام حدیث رسول پر ضرب لگاتے رہے۔

چنانچہ ایک دور وہ بھی آیا جب متکلمین معتزلہ نے احادیث رسول کو حجت تسلیم کرنے سے کھلم کھلا انکار کر دیا۔ الاحکام فی اصول الاحکام میں مرقوم ہے۔

وایضا فان جمیع اھل الاسلام کانوا علی قبول خبر الواحد الثقة من النبیؐ یجری علی ذلك كل فرقة علی علمها كأهل السنة والخوارج والشيعة والقدرية حتى حدث متكلموا المعتزلة بعد المائة من التاريخ فخالفوا الاجماع في ذلك۔ (۱۴)

یعنی تمام مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت شدہ خبر واحد، ثقہ سے قبول کرنے پر متفق تھے۔

اور اس پر تمام فرقے اہل سنت، خوارج جبریہ، قدریہ اور شیعہ بھی اپنے طرز کے مطابق عمل پیرا تھے۔

یہاں تک کہ پہلی صدی ہجری کے بعد معتزلہ متکلمین کا دور آیا جنہوں نے اس اجماع کی مخالفت کی۔

بہرکیف خارجیت و شیعیت کے مناقشات ہوں یا جبر و اختیار کی بحثیں، مرتکب کبائر کے کفر و فسق کا قصہ ہو یا خلق قرآن کا فتنہ یہ سب دراصل تقسیم کار کے اصول پر ایک نصب العین، ایک مطمع نظر کے مختلف پروگرام تھے۔ راہیں جدا جدا تھیں مگر منزل ایک تھی۔ ان فتنوں کی غرض اور ٹکنیک مشترک تھی۔ کہ قرآن کو اس کے لانے والے کی قولی و عملی تشریح و توضیح سے الگ کر کے مجرد ایک کتاب کی حیثیت سے لے لیا جائے۔ اور پھر اس کی من مانی، تاویلات کر کے ایک دوسرا نظام بنا لیا جائے جس پر اسلام کا لیبل چسپاں ہو۔

چنانچہ انہوں نے احادیث کے بارے میں یہ شکوک دلوں میں ڈالے کہ یہ فی الواقع حضورؐ کی ہیں یا نہیں؛ اور پھر یہ سوال اٹھایا کہ خبر واحد کیسے حجت ہو سکتی ہے؛ ان کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ محمدؐ ہم تک قرآن پہنچانے کے لیے مامور کیے گئے تھے۔ سو انہوں نے وہ پہنچا دیا ورنہ محمد بن عبداللہ ویسے ہی انسان تھے جیسے ہم۔ انہوں نے جو کچھ کہا اور کیا وہ ہمارے لیے کیسے حجت ہو سکتا ہے؛ اور پھر صرف احادیث کا انکار ہی نہیں کیا بلکہ قرآن کو بھی مشکوک بنا دینے کا پروگرام تھا۔ جیسا کہ گذشتہ اوراق میں ذکر کیا گیا ہے۔

لیکن ہر دور کے علماء نے اپنے اپنے انداز میں انکار حدیث کے فتنے کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور علمی سطح پر منکرین کے اعتراضات کا جواب دیا۔

چنانچہ امام شافعی نے اپنی کتابوں "الرسالہ" اور "الام" میں ان لوگوں کے خیالات کا پرزور انداز میں رد کیا ہے۔

امام احمد ابن حنبلؒ نے بھی اطاعت رسول کے اثبات میں ایک مستقل کتاب لکھی ہے جس میں منکرین حدیث کے اعتراضات کا ابطال کیا۔ جس کا کچھ حصہ حافظ ابن القیم نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے۔ (۱۵)

علماء اہل مغرب میں سے ابن عبدالبر نے اپنی کتاب "جامع بیان العلم وفضلہ" میں اس فرقے کے بعض باطل نظریات کا تنقیدی جائزہ لے کر اس کا رد پیش کیا۔ اسی طرح امام حاکم نے بھی اپنی کتاب میں ان چند منکرین حدیث کا ذکر کیا ہے جو رواۃ حدیث پر سب و شتم کرتے اور ان کو مورد طعن قرار دیتے تھے پھر علامہ ابن حزم نے بھی الاحکام میں اس گروہ کے خیالات کا ٹھوس عقلی اور نقلی دلائل سے رد کیا ہے۔

امام غزالی نے اپنی کتاب "المستصفی" میں اس گروہ کے شبہات پر بھرپور رد کیا ہے۔

امام سیوطی نے بھی مفتاح الجنۃ فی الاحتجاج بالسنۃ میں ان کے اعتراضات کا ابطال کیا ہے۔

اس طویل بحث سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے کہ مسئلہ انکار حدیث کی ابتداء پہلی صدی ہجری ہی سے خوارج و

شیعہ کی صورت میں ہو گئی تھی۔ لہذا یہ فرقہ اپنے زمانہ ظہور سے لے کر اب تک کسی نہ کسی شکل میں ظاہر ہوتا رہا۔

اس کے علاوہ مستشرقین یورپ نے صلیبی لڑائیوں میں فیصلہ کن شکست کے بعد انہی ہتھیاروں سے اور اسی محاذ سے اسلام کی بیخ کنی شروع کر دی۔ اور حدیث وسنت کو غیر معتبر بنانے کی غرض سے سائینٹفک ریسرچ کے نام سے اس کے خلاف ایک منظم مہم چلائی چنانچہ ان کے نزدیک احادیث رسول اللہ کی وفات کے سو سو برس بعد قلم بند ہوئیں لہذا یہ ناقابل اعتماد ہیں۔ اور کبھی یہ حضرات صحابہ کرام اور تابعین وائمہ۔ حدیث کو طعن وتشنیع کا نشانہ بناتے ہیں۔ پھر انہی لوگوں نے حدیث کو عقل کے معیار پر پرکھنے کی کوشش کی اور بزعم خود ان پر عقلی شبہات و اعتراضات وارد کیے۔ اور اسی بنیاد پر اسلام کے اساسی معتقدات جن میں ملائکہ، عذاب قبر جزا وسزا، معجزات انبیاء، افعال العباد اور جنت و دوزخ وغیرہ شامل ہیں کی من مانی تاویلات کیں غرض کہ تمام احکام شرعیہ جن پر مسلمان عمل کرتے چلے آرہے تھے نئے نئے انداز سے حملے کر کے پورے دین کی عمارت کو متزلزل کرنے کی جدوجہد کی۔

جب کہ یہودیوں اور عیسائیوں نے مسلمان منافقین کی مدد سے اسلام کو نیچا دکھانے کی جو کوششیں کیں وہ وہ تاریخ کے ہر دور میں نمایاں رہیں۔

انیسویں صدی عیسوی میں انقلاب ۱۸۵۷ء کے بعد جب ہندوستان میں انگریزوں نے مغربی علوم وفنون کی اشاعت کا انتظام کیا تو سائنس اور فلسفے کے راستے سے الحاد و بے دینی کا سیلاب اس ملک میں بھی آیا اور بیسویں صدی کے آغاز میں جب مسلمانوں پر مغربی اقوام کا سیاسی اور نظریاتی تسلط بڑھا تو مسلمانوں کا ایک ایسا طبقہ وجود میں آیا جو مغربی افکار سے بے حد مرعوب تھا۔ ان کا خیال تھا کہ دنیا میں ترقی مغرب کی تقلید کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی چونکہ اسلام کے بہت سے احکام ان کے راستے میں رکاوٹ تھے۔ لہذا انہوں نے تجدد کے نام پر اسلام کی تحریف کا سلسلہ شروع کر دیا۔

سرسید احمد خان نے علی گڑھ میں ایک کالج قائم کر کے یہ کوشش کی کہ مسلمان مغربی علوم سے آشنا ہو کر ایک طرف حکومت میں عہدے حاصل کریں اور دوسری جانب وہ مغربی علوم کی سمیت سے بھی محفوظ رہیں چنانچہ اس سم قاتل کے ازالے کے لیے جو تریاق انہوں نے تجویز کیا وہ یہ تھا کہ اسلامی تعلیمات کو عقلیت کی بنیاد پر ثابت کیا جائے۔

چونکہ احادیث سے معجزات، معراج جسمانی، ملائکہ کے وجود خارجی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا اثبات ہوتا ہے اس لیے انہوں نے ان تمام احادیث کا انکار کر دیا۔ اور احادیث کی صحت کا معیار انسانی عقل کو بنایا۔

احادیث نبوی کو عقلی معیار کی کسوٹی پہ پرکھنے کا اصول وضع کر کے انہوں نے ہندوستان میں انکار حدیث کا پہلا تخم بویا۔ جس کے اثمار تلخ بعد میں ہماری قوم کے سامنے اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ جلوہ گر ہوئے پھر اسی عہد

میں عبداللہ چکڑالوی نے سرسید کی تیار کردہ بنیادوں پر انکار حدیث کا قصر تعمیر کیا۔

انہی خطوط پر دوسرے منکرین حدیث جنم لیتے رہے۔ اور یہ معاملہ آگے بڑھتا گیا۔ مولوی چراغ علی اور سید امیر علی بھی میدان میں آئے۔ چنانچہ انہوں نے احادیث کے متعلق ایسی تحریریں لکھنا شروع کیں جن سے حدیث کی قطعیت اور حجیت مشتبہ ہو جائے۔ انہوں نے جہاں علمی ادبی اور سیاسی بیداری پیدا کی وہیں مغربی نظام سے وابستگی بھی پیدا کر دی اس ضمن میں چراغ علی نے ایک کتاب بہ عنوان "اعظم الکلام فی ارتقاء الاسلام" لکھی جس میں انہوں نے یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی کہ حدیث نبوی ایسی یقینی نہیں ہے جیسا کہ عام مسلمان خیال کرتے ہیں اور اس کی صحت و حجیت بہت مشتبہ ہے۔

۱۹۲۴ء - ۲۵ء کے عرصے میں ایک اور شخص خواجہ احمد دین نے امرتسر میں چند دوستوں کی مدد سے "امت مسلمہ" کی بنیاد ڈالی اور رسالہ "البیان" جاری کر دیا۔ جس کا مقصد عبداللہ چکڑالوی کے مسلک کو زندہ کرنا تھا۔

پھر ۱۹۳۸ء میں محمد اسلم جیراجپوری نے اس میدان میں قدم رکھا اور اسی سال جب دہلی سے "طلوع اسلام" نکلنا شروع ہوا تو انہوں نے اس رسالہ میں اپنے خیالات کا پرچار شروع کیا۔

جب طلوع اسلام کو قوم میں ہر دلعزیزی حاصل ہو گئی تو غلام احمد پرویز نے انکار حدیث کی شکر آمیختہ گولیاں جاہل مسلمانوں کے حلق میں اتارنا شروع کیں اور کمال جرأت سے کام لے کر کراچی میں اپنی قیام گاہ پر قرآن حکیم کا درس شروع کر دیا۔ اس درس میں قرآنی آیات کی توضیح و تشریح حدیث کی مدد کے بغیر کی جاتی تھی اس کے علاوہ اسلامی موضوعات پر کتابچے شائع کیے گئے جو عورتوں بچوں، کم پڑھے لکھے لوگوں اور سرکاری ملازمین کے لیے مخصوص تھے، گویا مذکورہ بالا لوگوں کے ذہنوں سے حدیث کی اہمیت کو کم کرنے کی کوشش کی گئی۔

اسی دور میں احمد امین مصری کا نام بھی آتا ہے جنہوں نے اپنی کتاب فجر الاسلام میں "الحدیث" کے عنوان سے سنت و حدیث پر ایسی بحث کی ہے جس سے حدیث کی اہمیت اور حجیت کم ہو جاتی ہے اس طرح اسماعیل ادہم نے ۱۳۵۳ھ میں تاریخ سنت کے موضوع پر مصر میں ایک رسالہ شائع کیا جس میں انہوں نے یہ اعلان کیا کہ "حدیث کا یہ گرانقدر سرمایہ جو ہمارے سامنے موجود ہے اور کتب صحاح ستہ میں محفوظ ہے۔ نہ صرف یہ کہ اس کی عمارت محکم بنیادوں اور ان ستونوں پر قائم نہیں بلکہ مشکوک و مشتبہ بھی ہے اور موضوع (من گھڑت) ہونے کے آثار اس میں نمایاں ہیں" (۱۷)

مصطفیٰ السباعی نے اپنی کتاب "السنۃ ومکانتھا فی التشریع الاسلامی" میں لکھا ہے کہ

ہمارے اس زمانے میں جن لوگوں کو فن حدیث سے لگاؤ ہے ان میں سے بعض لوگ انکار حدیث کے درپے ہیں (۱۸) سید رشید رضا کے مجلہ "المنار" کے دو شماروں میں ڈاکٹر توفیق صدقی کے دو مقالے شائع ہوئے ہیں جن میں "الاسلام ھو القرآن وحدہ" یعنی اسلام صرف قرآن ہی ہے کہ عنوان سے اس نظریے کا اعلان کیا گیا ہے۔ (۱۹)

حوالہ جات

۱۔ الطبری۔ تاریخ الطبری۔ (کراچی۔ ۱۹۷۸ء)۔ ج ۲۔ ص ۶۳

۲۔ العسقلانی، ابن حجر۔ لسان المیزان۔ (حیدر آباد۔ ۱۳۲۹ء)۔ ج ۲۔ ص ۲۸۹

۳۔ ایضاً۔ ج ۳ ص ۲۸۶

۴۔ الطبری۔ تاریخ الطبری۔ (کراچی۔ ۱۹۷۸ء) ج ۵۔ ص ۴ ۹

۵۔ القرآن۔ ۱۸ ۵

۶۔ السباعی، مصطفیٰ۔ السنۃ و مکانتہا فی التشریع الاسلامی۔ (بیروت۔ ۱۹۷۸ء) ص ۱۲۷ تا ۲۳

۷۔ البخاری۔ الجامع الصحیح، کتاب التفسیر سورۃ الحشر، باب، ما آتاکم الرسول فخذوہ،۔ × (لاہور۔ ۱۹۷۲ء)

ج ۲۔ ص ۷۲۵

۸۔ القرآن۔ ۵۹: ۷

۹۔ الحاکم، ابوعبداللہ عبداللہ۔ المستدرک۔ (حیدر آباد، دکن۔ ۱۳۴۲ھ)۔ ج ا ص ۲۵۸

۱۰۔ البخاری۔ الجامع الصحیح۔ کتاب، الحیض، باب، لاتقضی الحائض الصلوٰۃ، لاہور ۱۹۷۶ء ج ا۔ ص ۲۰۴

۱۱۔ السباعی۔ السنۃ ۔۔۔۔۔ ص ۶۔

۱۲۔ الجزائری، طاہر۔ توجیہ النظر۔ (مصر۔ ۱۳۲۸ھ) ص ۷۷

۱۳۔ ابن حزم۔ احکام الأحکام۔ (کراچی۔ ۱۴۰۸ھ)۔ ج ا۔ ص ۱۱۹

۱۴۔ الآمدی۔ الاحکام فی اصول الاحکام (بیروت۔ ۱۹۸۰ء)۔ ج ا۔ ص ۱۴۱

۱۵۔ الجوزی، ابن القیم۔ اعلام الموقعین۔ (قاہرہ۔ ۱۳۷۰ھ)۔ ج ۲۔ ص ۲۱۷

۱۶۔ الحاکم۔ المستدرک۔ (حیدر آباد دکن۔ ۱۳۴۲ء)۔ ج ا۔ ص ۲۷

۱۷۔ السباعی۔ السنۃ ۔۔۔۔۔۔ ص ۲۳۷۔ (المکتب الاسلامی۔ بیروت ۱۹۸۵ء)

۱۸۔ ایضاً۔۔۔۔۔ ص ۳۰۳ تحذیر

۱۹۔ البنعلی، احمد ابن حجر۔ تحذیر المسلمین عن الابتداع والبدع فی الدین۔ روحۃ ۱۹۷۳ء ص ۴۱ بحوالہ توفیق صدقی۔ الاسلام ھو القرآن وحدہ" مجلہ المنار شمارہ ۲/۷۔

ج ۹۔